© rasailojaraid.com

انسان کا معاشی مسئلہ اور اسکا اسلامی حل

موجودہ زمانہ میں ملکوں اور قوموں کے، اور بحیثیت مجموعی دنیا کے معاشی مسائل کو جو اہمیت دی جارہی ہے، شائد اس سے پہلے کم از کم نمایاں طور پر انکو اتنی اہمیت کبھی نہیں دی گئی۔ "نمایاں طور پر" کا لفظ میں اسلیے استعمال کر رہا ہوں کہ حقیقت میں تو انسان کی زندگی میں اُسکی معاش جس قدر اہمیت رکھتی ہے اُسکے لحاظ سے ہر زمانہ میں افراد، جماعتوں، قوموں، ملکوں، اور تمام انسانوں نے اسکی طرف بہر حال توجہ کی ہے، لیکن آج اس توجہ کو جس چیز نے زیادہ نمایاں کر دیا ہے وہ معاشیات کے نام سے ایک باقاعدہ علم کا بڑی بڑی کتابوں، بھاری بھرکم اصطلاحوں، اور پُرشوکت اداروں کے ساتھ موجود ہونا، اور ساتھ ہی ضروریات زندگی کی پیدائش، فراہمی، اور اکتساب کے طریقوں کا پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتے چلے جانا ہے۔ ان اسباب سے آج معاشی مسائل پر بحث وگفتگو اور عالمانہ تحقیق کا وہ زور شور ہے کہ انکے آگے انسانی زندگی کے سارے مسائل دب کر رہ گئے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ جس چیز پر دنیا بھر کی توجہات اس طرح مرکوز ہو گئی ہیں وہ بجائے سُلجھنے اور صاف ہونے کے اور زیادہ اُلجھتی اور معمّا بنتی چلی جاتی ہے۔ علم المعیشت کی موٹی موٹی اصطلاحوں نے اور ماہرین معاشیات کی عالمانہ موشگافیوں نے عام لوگوں کو اس قدر دہشت زدہ کر دیا ہے کہ وہ غریب ان اعلیٰ درجہ کی فنی بحثوں کو سن کر اس طرح اپنے معاشی مسئلہ کی ہولناکی سے مرعوب اور اسکے حل کی تمام توقعات سے مایوس ہو جاتے ہیں جس طرح ایک بیمار کسی ڈاکٹر کی زبان سے اپنی بیماری کا کوئی موٹا سا لاطینی نام سُن کر ہول کھا جاتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ جب مجھے ایسی سخت بیماری لاحق ہو گئی ہے تو میری جان کا اب اللہ ہی حافظ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالانکہ ان اصطلاحوں اور فنی بحثوں کا غلاف اتار کر سیدھے سادے فطری طریقے سے دیکھا جائے تو انسان کا معاشی مسئلہ بڑی آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے، اور اس مسئلے کے حل کی مختلف صورتیں جو دنیا میں اختیار کی گئی ہیں اُنکے مفید اور مضر پہلو بھی بغیر کسی دقت کے دیکھے جاسکتے ہیں، اور اسکے حل کی صحیح فطری صورت جو کچھ ہوسکتی ہے اسکے سمجھنے میں بھی کوئی مشکل باقی نہیں رہتی۔

اصطلاحات کے چکر اور فنی پیچیدگیوں کے طلسمات نے اس مسئلے کو جس قدر الجھایا ہے اُس پر مزید اُلجھن اس وجہ سے بھی پیدا ہوگئی ہے کہ انسان کے معاشی مسئلہ کو، جو دراصل انسانی زندگی کے عظیم تر مسئلہ کا ایک جزو تھا، مجموعہ سے الگ کر کے بجائے خود ایک مستقل مسئلے کی حیثیت سے دیکھا جانے لگا، اور رفتہ رفتہ یہ نے اتنی بڑھی کہ معاش کے مسئلے ہی کو پوری زندگی کا مسئلہ سمجھ لیا گیا۔ یہ پہلی غلطی سے بھی زیادہ بڑی غلطی ہے جسکی وجہ سے اس گتھی کا سلجھنا محال ہوگیا ہے۔ اسکی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کوئی امراضِ جگر کا ماہر انسانی جسم کے مجموعی نظام سے الگ کر کے، اور اس نظام میں جگر کی حیثیت جو ہے اسکو نظر انداز کر کے جگر کو بس جگر ہونے کی حیثیت سے دیکھنا شروع کردے، اور پھر اس دیکھنے میں اتنا مستغرق ہو کہ آخر کار اسے پورا انسانی جسم بس ایک جگر ہی جگر نظر آنے لگے۔ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ اگر انسانی صحت کے سارے مسائل کو صرف جگریات سے حل کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ مسائل کس قدر ناقابلِ حل ہو جائینگے اور آدمی بے چارے کی جان کس قدر شدید خطرے میں مبتلا ہو کر رہیگی۔ بس اسی پر قیاس کر لیجیے کہ جب معاشیات کو انسانیت کے مجموعہ میں سے نکال کر الگ کر لیا جائے، اور پھر اسکو عین انسانیات قرار دیکر سارے مسائل زندگی اسی سے حل کیے جانے لگیں تو بجز سرگشتگی وحیرانی کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔

دورِ جدید کے فتنوں میں سے یہ ماہرینِ خصوصی (Specialists) کا فتنہ بھی ایک بڑا فتنہ ہے۔ زندگی اور اسکے مسائل پر مجموعی نظر کم سے کم تر ہوتی چلی جاتی ہے۔ انسان مختلف علوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے یک چشم ماہرین کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ گیا ہے۔ کوئی طبیعیات کا ماہر ہے تو وہ ساری کائنات کا معمّا صرف طبیعیات کے بل پر حل کرنے لگتا ہے۔ کسی کے دماغ پر نفسیات کا تسلّط ہے تو وہ اپنے نفسیاتی تجربات و مشاہدات کے اعتماد پر پورا فلسفۂ حیات مرتب کرنا چاہتا ہے۔ کسی اللہ کے بندے کی نظر صنفیات پر جم کر رہ گئی ہے تو وہ کہتا ہے کہ پوری انسانی زندگی میں شہوانیت (Sex) کے محور پر گھوم رہی ہے حتیٰ کہ خدا کا خیال بھی انسان کے دماغ میں اسی رستے سے آیا ہے۔ اسی طرح جو لوگ معاشیات میں مستغرق ہیں وہ انسان کو یقین دلانا چاہتے ہیں کہ معاش تیری زندگی کا اصل مسئلہ ہے اور باقی سارے مسائل اسی جڑ کی شاخیں ہیں۔ حالانکہ اصل حقیقت جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک کُل کے مختلف پہلو ہیں۔ اُس کُل کے اندر اِن سب کا ایک خاص مقام ہے اور اُس مقام کے لحاظ ہی سے انکی اہمیت بھی ہے۔ انسان ایک جسم رکھتا ہے جو قوانین طبیعی کے ماتحت ہے۔ اِس لحاظ سے انسان طبیعیات کا موضوع بھی ہے۔ مگر وہ نرا جسم ہی نہیں ہے کہ صرف طبیعیات ہی سے اُسکے سارے مسائل حل کیے جا سکیں۔ انسان ایک ذی حیات ہستی ہے جس پر حیاتی قوانین جاری ہوتے ہیں۔ اِس لحاظ سے وہ علم الحیات (Biology) کا موضوع ہے مگر وہ نرا ذی حیات نہیں ہے کہ صرف حیاتیات یا حیوانیات (Zoology) ہی سے اسکی زندگی کا پورا قانون اخذ کیا جا سکے۔ انسان کو زندہ رہنے کے لیے غذا کی، پوشش کی، اور مکان کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ اِس لحاظ سے معاشیات اسکی زندگی کے ایک اہم شعبہ پر حاوی ہے۔ مگر وہ محض ایک کھانے، پہننے اور گھر بنا کر رکھنے والا حیوان ہی نہیں ہے کہ تنہا معاشیات ہی پر اسکے پورے فلسفۂ حیات کی بنا رکھ دی جائے۔ انسان اپنی نوع کو باقی رکھنے کے لیے تناسل پر بھی مجبور ہے جسکے لیے اُسکے اندر ایک زبردست صنفی میلان پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے صنفیات کا علم بھی اُسکی زندگی کے ایک اہم پہلو سے تعلق رکھتا ہے مگر وہ بالکل نسل کشی کا آلہ ہی نہیں ہے کہ بس صنفیات ہی کی عینک لگا کر اسے دیکھا جانے لگے۔ انسان ایک نفس رکھتا ہے جس میں شعور و ادراک کی مختلف قوتیں اور جذبات و خواہشات کی مختلف طاقتیں ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لحاظ سے نفسیات اسکے وجود کے ایک بڑے شعبہ پر محیط ہے۔ لیکن وہ از سر تا پا نفس ہی نفس نہیں ہے، کہ نفسیات کے علم سے اسکی زندگی کی پوری اسکیم بنائی جاسکے۔ انسان ایک متمدن ہستی ہے جو عین اپنی فطرت کے لحاظ سے مجبور ہے کہ دوسرے انسانوں کے ساتھ مل کر رہے۔ اس لحاظ سے اسکی زندگی کے بہت سے پہلو عمرانیات کے تحت آتے ہیں۔ لیکن متمدن ہستی ہونا اُسکا تمام وجود نہیں ہے کہ محض علوم عمران کے ماہرین بیٹھ کر اسکے لیے مکمل نظام حیات وضع کرسکیں۔ انسان ایک ذی عقل ہستی ہے جس کے اندر محسوسات سے ماوراء معقولات کی طلب پائی جاتی ہے اور وہ عقلی اطمینان چاہتا ہے۔ اس لحاظ سے علوم عقلیہ اسکے ایک خاص مطالبہ کو پورا کرتے ہیں۔ مگر وہ پورا عقل ہی نہیں ہے کہ محض معقولات کے بل بوتے پر اسکے لیے ایک لائحۂ زندگی بنایا جاسکے۔ انسان ایک اخلاقی و روحانی وجود ہے جس میں بھلے اور برے کا امتیاز، اور محسوسات و معقولات دونوں سے ماوراء حقیقتوں تک پہنچنے کا داعیہ بھی پایا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے اخلاقیات و روحانیات اُسکے ایک اور اہم مطالبہ کو پورا کرتے ہیں۔ مگر وہ از سر تا پا اخلاق اور روح ہی نہیں ہے کہ مجرّد اخلاقیات و روحانیات سے اسکے لیے پورا نظام زندگی بنایا جاسکے۔ دراصل انسان بیک وقت یہ سب کچھ ہے، اور ان تمام حیثیتوں کے علاوہ اسکی ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ اپنے تمام وجود اور اپنی زندگی کے سارے شعبوں سمیت وہ کائنات کے اس عظیم الشان نظام کا ایک جزو ہے، اور اسکی زندگی کا ضابطہ لازمی طور پر اس امر کا تعین چاہتا ہے کہ اس کائنات میں اسکی حیثیت کیا ہے اور اس کا جزو ہونے کی حیثیت سے اس کو کس طرح کام کرنا چاہیے۔ نیز اسکے لیے یہ بھی ناگزیر ہے کہ وہ اپنے مقصد زندگی کا تعین کرے اور اسی کے لحاظ سے فیصلہ کرے کہ اسے کس لیے کام کرنا ہے۔ یہ آخری دونوں سوال انسانی زندگی کے بنیادی سوال ہیں۔ انہی پر ایک فلسفۂ حیات بنتا ہے، پھر اس فلسفۂ حیات کے تحت تمام وہ علوم جو دنیا اور انسان سے تعلق رکھتے ہیں، اپنے اپنے دائرے کی معلومات فراہم کرتے ہیں اور کم و بیش ان سب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مل کر ایک لائحۂ عمل بنتا ہے جس پر انسانی زندگی کا پورا کارخانہ چلتا ہے۔

اب یہ ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اگر آپ اپنی زندگی کے کسی مسئلہ کو سمجھنا چاہیں تو اس کے لیے یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں ہے کہ آپ خوردبین لگا کر صرف اسی ایک مسئلہ پر اپنی نظر کو محدود کر کے دیکھیں یا اُس خاص شعبۂ حیات کے لیے جس سے وہ مسئلہ تعلق رکھتا ہے، ایک قسم کا تعصب لیے ہوئے پورے مجموعۂ حیات پر نگاہ ڈالیں، بلکہ صحیح فہم و ادراک کے لیے آپکو پورے مجموعہ کے اندر رکھ کر اسے دیکھنا ہوگا اور غیر متعصبانہ نگاہ سے دیکھنا ہوگا۔ اسی طرح اگر آپ زندگی کے توازن میں کوئی بگاڑ پائیں اور اسکو درست کرنا چاہیں تو یہ اور بھی زیادہ خطرناک ہے کہ آپ کسی ایک مسئلہ زندگی کو کُل مسئلۂ زندگی قرار دے کر سارے کارخانے کو اسی ایک پرزے کے گرد گھما دیں۔ اس حرکت سے تو آپ اور زیادہ عدم توازن پیدا کر دینگے۔ صحیح طریق اصلاح یہ ہے کہ غیر متعصبانہ نظر سے پورے نظام زندگی کو اسکے بنیادی فلسفے سے لیکر شاخوں کی تفصیلات تک دیکھیے اور تحقیق کیجیے کہ خرابی کس جگہ اور کس نوعیت کی ہے۔

انسان کے معاشی مسئلے کو سمجھنے اور صحیح طور پر حل کرنے میں جو مشکل پیش آرہی ہے اسکی بڑی وجہ یہی ہے کہ اس مسئلے کو بعض لوگ صرف معاشیات کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ بعض اسکی اہمیت میں مبالغہ کر کے اُسے کُل مسئلۂ زندگی قرار دے رہے ہیں۔ اور بعض اس سے بھی تجاوز کر کے زندگی کا بنیادی فلسفہ اور اخلاق و تمدن و معاشرت کا سارا نظام معاشی بنیاد ہی پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ اگر معاشیات ہی کو اساس ٹھیرایا جائے تو انسان کا مقصد زندگی اُس بیل کے مقصد زندگی سے کچھ بھی مختلف نہیں ٹھیرتا جسکی تمام سعی و جہد کی غایت یہ ہے کہ ہری ہری گھاس کھا کر خوش و خرم اور تنومند ہو جائے اور کائنات میں اُسکی حیثیت یہ قرار پاتی ہے کہ وہ بس چراگاہِ عالم میں ایک آزاد چرندہ ہے۔ اسی طرح اخلاقیات، روحانیات، معقولات، عمرانیات، نفسیات اور تمام دوسرے علوم کے دائروں میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی معاشی نقطۂ نظر کے غالب آجانے سے نہایت شدید عدم توازن کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ ان شعبہائے زندگی کے لیے معاشیات میں کوئی بنیاد اس کے سوا نہیں ہے کہ اخلاق و روحانیت نفس پرستی و مادہ پرستی میں، اور معقولات ماکولات میں تبدیل ہو جائیں، عمرانیات کی ساری ترتیب حقائق عمرانی کے بجائے کاروباری اغراض پر قائم ہو، اور نفسیات میں انسان کا مطالعہ محض ایک معاشی حیوان کی حیثیت سے کیا جانے لگے۔ کیا اس سے بڑھ کر انسانیت پر کوئی اور ظلم ہو سکتا ہے؟

اصل معاشی مسئلہ اب اگر ہم اصطلاحی اور فنی پیچیدگیوں سے بچ کر ایک سیدھے سادے طریقے سے دیکھیں تو انسان کا معاشی مسئلہ ہم کو یہ نظر آتا ہے کہ تمدن کی رفتار ترقی کو قائم رکھتے ہوئے کس طرح تمام انسانوں کو ان کی ضروریات زندگی بہم پہنچنے کا انتظام ہو، اور کس طرح سوسائٹی میں ہر شخص کو اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق ترقی کرنے اور اپنی شخصیت کو نشوونما دینے اور اپنے کمال لائق تک پہنچنے کے مواقع حاصل رہیں۔

قدیم ترین زمانہ میں انسان کے لیے معاش کا مسئلہ قریب قریب اتنا ہی سہل تھا جتنا حیوانات کے لیے ہے۔ خدا کی زمین پر بے شمار سامانِ زندگی پھیلا ہوا ہے۔ ہر مخلوق کے لیے جس قسم کے رزق کی ضرورت ہے وہ بافراط مہیا ہے۔ ہر ایک اپنا رزق تلاش کرنے کے لیے نکلتا ہے اور جا کر خزائن رزق میں سے حاصل کر لیتا ہے۔ کسی کو نہ اسکی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور نہ اس کا رزق کسی دوسری مخلوق کے قبضہ میں ہے۔ تقریباً یہی حالت انسان کی بھی تھی کہ گیا اور قدرتی رزق خواہ وہ پھلوں کی شکل میں ہو یا شکار کے جانوروں کی شکل میں، حاصل کر لایا۔ قدرتی پیداوار سے بدن ڈھانکنے کا انتظام کر لیا۔ زمین میں جہاں موقع دیکھا ایک سر چھپانے اور پڑ رہنے کی جگہ بنالی لیکن خدا نے انسان کو اسلیے پیدا نہیں کیا تھا کہ وہ زیادہ مدت تک اسی حال میں رہے۔ اس نے انسان کے اندر ایسے فطری داعیات رکھے تھے کہ وہ انفرادیت چھوڑ کر اجتماعی زندگی اختیار کرے، اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنی صنعت سے اپنے لیے ان ذرائع زندگی سے بہتر ذرائع پیدا کرے جو قدرت نے مہیا کیے تھے۔ عورت اور مرد کے درمیان دائمی تعلق کی فطری خواہش، انسانی بچے کا طویل مدت تک ماں باپ کی پرورش کا محتاج ہونا، اپنی نسل کے ساتھ انسان کی گہری دلچسپی، اور خونی رشتوں کی محبت، یہ وہ چیزیں تھیں جو اجتماعی زندگی پر مجبور کرنے کے لیے خود فطرت ہی نے اسکے اندر رکھ دی تھیں۔ اسی طرح انسان کا خودرو پیداوار پر قانع نہ ہونا اور زراعت سے اپنے لیے خود غلہ پیدا کرنا، پتوں سے جسم ڈھانکنے پر قانع نہ ہونا اور اپنی صنعت سے اپنے لیے لباس بنانا، غاروں اور بھٹوں میں رہنے پر مطمئن نہ ہونا اور اپنے لیے خود مکان تیار کرنا، اپنی ضروریات کے لیے جسمانی آلات پر اکتفا نہ کرنا اور پتھر، لوہے، لکڑی وغیرہ کے آلات ایجاد کرنا، یہ بھی فطرت ہی نے اسکے اندر ودیعت کیا تھا، اور اس کا بھی لازمی نتیجہ یہی تھا کہ وہ رفتہ رفتہ متمدن ہو۔ پس اگر انسان متمدن ہوا تو اُس نے کوئی جرم نہیں کیا بلکہ عین اسکی فطرت کا تقاضا اور اسکے خالق کا منشا یہی تھا۔

تمدن کی پیدائش کے ساتھ چند چیزیں ناگزیر تھیں:

ایک یہ کہ انسان کی ضروریات زندگی بڑھیں اور ہر شخص خود اپنی تمام ضروریات فراہم نہ کر سکے بلکہ اسکی کچھ ضرورتیں دوسروں سے اور دوسروں کی اُس سے متعلق ہوں۔

دوسرے یہ کہ ضروریات زندگی کا مبادلہ (Exchange) عمل میں آئے اور رفتہ رفتہ مبادلۂ اشیاء کا ایک واسطہ (Medium of Exchange) مقرر ہو جائے۔

تیسرے یہ کہ اشیائے ضرورت تیار کرنے کے آلات اور حمل و نقل کے وسائل میں اضافہ ہو اور جتنی نئی چیزیں انسان کے علم میں آئیں اُن سب سے وہ فائدہ اٹھاتا چلا جائے۔

چوتھے یہ کہ آدمی کو اس امر کا اطمینان حاصل ہو کہ وہ چیزیں جنکو اس نے خود اپنی محنت سے حاصل کیا ہے، وہ آلات جن سے وہ کام کرتا ہے، وہ زمین جس پر اس نے گھر بنایا ہے، وہ جگہ جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں وہ اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے، یہ سب اُسی کے قبضہ میں رہینگی اور اُسکے بعد اُن لوگوں کی طرف منتقل ہونگی جو دوسروں کی بہ نسبت اُس سے قریب تر ہیں۔

اس طرح مختلف پیشوں کا پیدا ہونا، خرید و فروخت اور اشیاء کی قیمتوں کا تعین، روپے کا معیارِ قیمت کی حیثیت سے جاری ہونا، بین الاقوامی لین دین اور درآمد و برآمد تک نوبت پہنچنا، نئے نئے آلات و وسائلِ پیدائش (Means of production) کا استعمال میں آنا، اور حقوقِ ملکیت اور وراثت کا وجود میں آنا، یہ سب کچھ عین مقتضائے فطرت تھا اور ان میں سے بھی کوئی چیز گناہ نہ تھی کہ اب اس سے توبہ کرنے کی ضرورت ہو۔

مزید برآں تمدن کے نشوونما کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ:

(۱) مختلف انسانوں کی قوتوں اور قابلیتوں کے درمیان جو فرق خود فطرت نے رکھا ہے اسکی وجہ سے بعض انسانوں کو اپنی اصلی ضرورت سے زیادہ کمانے کا موقع مل جائے اور بعض اپنی ضرورت کے مطابق، اور بعض اس سے کم کمائیں۔

(۲) وراثت کے ذریعہ سے بھی بعض کو زندگی کا آغاز کرنے کے لیے اچھے وسائل مل جائیں اور بعض کم وسائل کے ساتھ اور بعض بے وسیلہ کارزارِ حیات میں قدم رکھیں۔

(۳) قدرتی اسباب سے بھی ہر آبادی میں ایسے لوگ موجود رہیں جو کسب معاش کے کام میں حصہ لینے اور اسبابِ زندگی کے مبادلہ میں شریک ہونے کے قابل نہ ہوں، مثلاً بچے، بوڑھے، بیمار، معذور وغیرہ۔

(۴) بعض انسان خدمت لینے والے اور بعض خدمت انجام دینے والے ہوں اور اس طرح آزادانہ صنعت و تجارت اور زراعت کے علاوہ نوکری اور مزدوری کی صورتیں بھی پیدا ہو جائیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ سب بھی بجائے خود انسانی تمدن کے فطری مظاہر اور قدرتی پہلو ہیں۔ ان صورتوں کا رونما ہونا بھی اپنی جگہ کوئی برائی یا گناہ نہیں ہے کہ اِن کے استیصال کی فکر کی جائے۔ تمدن کی خرابی کے دوسرے اسباب سے جو برائیاں پیدا ہوئی ہیں اُنکے اصل سبب کو نہ پا کر بہت سے لوگ گھبرا اٹھتے ہیں اور کبھی شخصی ملکیت کو، کبھی روپے کو، کبھی مشین کو، کبھی انسانوں کی فطری نامساوات کو، اور کبھی خود تمدن ہی کو کوسنے لگتے ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ غلط تشخیص اور غلط تجویز علاج ہے۔ انسانی فطرت کے تقاضے سے تمدن میں جو نشو و نما ہوتا ہے، اور اس نشو و نما سے فطرۃً جو صورتیں رونما ہوتی ہیں انکو روکنے کی ہر کوشش نادانی ہے اور اسکے نتیجہ میں فلاح کے بجائے تباہی و نقصان کا زیادہ امکان ہے۔ انسان کا اصل معاشی مسئلہ یہ نہیں ہے کہ تمدن کی ترقی کو کس طرح روکا جائے، یا اسکے قدرتی مظاہر کو کس طرح بدلا جائے، بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ تمدن کے نشو و نما کی فطری رفتار کو برقرار رکھتے ہوئے اجتماعی ظلم و بے انصافی کو کیسے روکا جائے، اور فطرت کا یہ منشا کہ ہر مخلوق کو اسکا رزق پہنچے، کیونکر پورا کیا جائے، اور اُن رکاوٹوں کو کس طرح دور کیا جائے جنکی بدولت بہت سے انسانوں کی قوتیں اور قابلیتیں محض وسائل کے فقدان کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں۔

معاشی انتظام کی خرابی کا سبب اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ خرابی کے اصل اسباب کیا ہیں اور خرابی کی نوعیت کیا ہے۔

نظامِ معیشت کی خرابی کا نقطۂ آغاز خود غرضی کا حدِ اعتدال سے بڑھ جانا ہے۔ پھر دوسرے رذائلِ اخلاق اور ایک فاسد نظامِ سیاست کی مدد سے یہ چیز بڑھتی اور پھیلتی ہے یہاں تک کہ پورے معاشی انتظام کو خراب کر کے زندگی کے باقی شعبوں میں بھی اپنا زہریلا اثر پھیلا دیتی ہے۔

ابھی میں بیان کر چکا ہوں کہ شخصی ملکیت، اور بعض انسانوں کا بعض کی بہ نسبت بہتر معاشی حالت میں ہونا، یہ دونوں عین فطرت کے مقتضیات سے تھے اور بجائے خود ان میں کوئی خرابی نہ تھی۔ اگر انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تمام اخلاقی صفات کو توازن کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملتا اور خارج میں بھی ایک ایسا نظامِ سیاست موجود ہوتا جو زور و قوت کے ساتھ عدل قائم رکھتا تو اِن سے کوئی خرابی پیدا نہ ہوسکتی تھی۔ لیکن جس چیز نے انہیں خرابیوں کی پیدائش کا ذریعہ بنا دیا وہ یہ تھی کہ جو لوگ فطری اسباب سے بہتر معاشی حیثیت رکھتے تھے وہ خود غرضی، تنگ نظری، بد اندیشی، حرص، بخل، بد دیانتی، اور نفس پرستی میں مبتلا ہوگئے۔ شیطان نے انہیں یہ سمجھایا کہ تمہاری اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت تمہیں ملتے ہیں اور جن پر تمہیں حقوق مالکانہ حاصل ہیں، اُنکے صحیح و معقول مصرف صرف دو ہیں: ایک یہ کہ ان کو اپنی آسائش، آرائش، لطف، تفریح اور خوش باشی میں صرف کرو۔ دوسرے یہ کہ ان کو مزید وسائلِ معیشت پر قبضہ کرنے کے لیے استعمال کرو، اور بن پڑے تو انہی کے ذریعہ سے انسانوں کے خدا اور اَن داتا بھی بن جاؤ۔

پہلی شیطانی تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ دولت مندوں نے جماعت کے اُن افراد کا حق ماننے سے انکار کردیا جو دولت کی تقسیم میں حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں یا اپنی اصلی ضرورت سے کم حصہ پاتے ہیں۔ انہوں نے یہ بالکل جائز سمجھا کہ اِن لوگوں کو فاقہ کشی اور خستہ حالی میں چھوڑ دیا جائے۔ انکی تنگ نظری نے یہ نہ دیکھا کہ اس روّیہ کی وجہ سے انسانی جماعت کے بہت سے افراد جرائم پیشہ بنتے ہیں، جہالت اور دنائت اخلاق میں مبتلا ہوتے ہیں، جسمانی کمزوری اور امراض کا شکار رہوتے ہیں، انکی ذہنی و جسمانی قوتیں نشوونما پانے اور انسانی تمدن و تہذیب کے ارتقاء میں اپنا حصہ ادا کرنے سے رہ جاتی ہیں، اور اس سے وہ سوسائیٹی بحیثیت مجموعی نقصان اٹھاتی ہے جسکے وہ خود بھی ایک جُزء ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ ان دولت مندوں نے اپنی اصلی ضروریات پر بے شمار اور ضروریات کا اضافہ کیا اور بہت سے انسانوں کو جنکی قابلیتیں تمدن و تہذیب کی بہتر خدمات کے لیے استعمال ہوسکتی تھیں اپنے نفسِ شریر کی خود ساختہ ضرورتوں کے پورا کرنے میں استعمال کرنا شروع کردیا۔ اُن کے لیے زنا ایک ضرورت تھی جسکی خاطر فاحشہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عورتوں اور قرمساقوں اور دیوثوں کا ایک لشکر فراہم ہوا۔ اُن کے لیے غنا بھی ایک ضرورت تھی جسکی خاطر گویّوں، پخنیوں، سازندوں، اور آلات موسیقی تیار کرنے والوں کی ایک اور فوج تیار کی گئی۔ اُنکے لیے بے شمار قسم کی تفریحات بھی ضروری تھیں جنکی خاطر مسخروں، نقالوں، ایکٹروں اور ایکٹرسوں داستان گویوں، مصوّروں اور نقاشوں اور بہت سے فضول پیشہ وروں کا ایک اور گروہِ کثیر مہیا کیا گیا۔ اُنکے لیے شکار بھی ضروری تھا جسکی خاطر بہت سے انسان کوئی بھلا کام کرنے کے بجائے اِس کام پر لگائے گئے کہ جنگلوں میں جانوروں کو ہانکتے پھریں۔ اُنکے لیے سرور و نشاط اور خود رفتگی بھی ایک ضرورت تھی جسکی خاطر بہت سے انسان شراب، کوکین، افیون، اور دوسرے مُسکرات کی فراہمی میں مشغول کیے گئے۔ غرض اِس طرح اِن شیطان کے بھائیوں نے صرف اتنے ہی پر اکتفا نہ کیا کہ بے رحمی کے ساتھ سوسائیٹی کے ایک بڑے حصہ کو اخلاقی و روحانی اور جسمانی تباہی میں مبتلا ہونے کے لیے چھوڑ دیا ہو، بلکہ مزید ظلم یہ کیا کہ ایک اور بڑے حصہ کو صحیح اور مفید کاموں سے ہٹا کر بیہودہ، ذلیل اور نقصان دہ کاموں میں لگا دیا، اور تمدن کی رفتار کو راہِ راست سے ہٹا کر ایسے راستوں کی طرف پھیر دیا جو انسان کو تباہی کی طرف لے جانے والے ہیں۔ پھر معاملہ اسی پر ختم نہیں ہو گیا۔ انسانی سرمایہ (Human capital) کو ضائع کرنے کے ساتھ انہوں نے مادّی سرمایہ کو بھی غلط طریقہ سے استعمال کیا۔ اِنکو محلات، کوٹھیوں، گلستانوں، تفریح گاہوں، ناچ گھروں وغیرہ کی ضرورت لاحق ہوئی، حتی کہ مرنے کے بعد زمین میں لیٹنے کے لیے بھی اِن کمبختوں کو ایکڑوں زمین اور عالیشان عمارتوں کی حاجت در پیش ہوئی، اور اس طرح وہ زمین، وہ سامانِ تعمیر اور وہ انسانی محنت جو بہت سے بندگانِ خدا کے لیے سکونت کا انتظام کرنے کو کافی ہو سکتی تھی، ایک ایک عیاش آدمی کے مُستقر اور مُستودع پر صرف ہو گئی۔ ان کو زیوروں، نفیس لباسوں، اعلیٰ درجہ کے آلات و ظروف، زینت و آرائش کے سامانوں، شاندار سواریوں اور نہ معلوم کن کن چیزوں کی ضرورت پیش آئی۔ حتی کہ اِن ظالموں کے دروازے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی قیمتی پردوں کے بغیر ننگے رہے جاتے تھے، انکی دیواریں بھی سینکڑوں اور ہزاروں روپے کی تصویروں سے مزین ہوئے بغیر نہ رہ سکتی تھیں، اِنکے کمروں کی زمین بھی ہزاروں روپے کے قالین اوڑھنا چاہتی تھی، اِنکے کتوں کو بھی مخمل کے گدے اور سونے کے پٹے درکار تھے۔ اس طرح وہ بہت سا مواد اور وہ کثیر انسانی عمل جو ہزارہا انسانوں کا تن ڈھانکنے اور پیٹ بھرنیکے کام آسکتا تھا ایک ایک شخص کی نفس پرستی کے لیے وقف ہوگیا۔

یہ تو شیطانی رہنمائی کے ایک حصہ کا نتیجہ تھا۔ دوسری رہنمائی کے نتائج اس سے بھی زیادہ خراب نکلے۔ یہ اصول کہ اپنی اصلی ضرورت سے زائد جو وسائل معیشت کسی انسان کے قبضہ میں آگئے ہوں انکو وہ جمع کرتا چلا جائے، اور پھر مزید وسائلِ معیشت حاصل کرنے کے لیے استعمال کرے، اوّل تو بداہتہً غلط ہے۔ ظاہر ہے کہ خدا نے معیشت کے اسباب جو زمین پر پیدا کیے ہیں یہ مخلوق کی حقیقی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے پیدا کیے ہیں۔ تمہارے پاس اگر خوش قسمتی سے کچھ زیادہ اسباب آگئے ہیں تو یہ دوسروں کا حصہ تھا جو تم تک پہنچ گیا۔ اِسے جمع کرنے کہاں چلے ہو؟ اپنے گرد و پیش دیکھو، جو لوگ سامانِ زیست سے اپنا حصہ حاصل کرنیکے قابل نظر نہیں آتے، یا اسے حاصل کرنے میں ناکام رہ گئے ہیں، یا جنہوں نے اپنی ضرورت سے کم پایا ہے، سمجھ لو کہ یہی لوگ ہیں جنکا حصہ تمہارے پاس پہنچا ہے۔ وہ حاصل نہیں کر سکے تو تم اُن تک پہنچا دو۔ یہ صحیح کام کرنے کے بجائے اگر تم ان اسباب کو اور زیادہ اسبابِ معاش حاصل کرنے کے لیے استعمال کروگے تو یہ غلط کام ہوگا، کیونکہ بہرحال وہ مزید اسباب جو تم حاصل کروگے تمہاری ضرورت سے اور بھی زیادہ ہونگے۔ پھر اُن کے حصول کی کوشش بجز اسکے کہ تمہاری حرص و ہوس کی تسکین کا ذریعہ ہو اور کیا مفید پہلو رکھتی ہے؟ حصولِ معاش کی سعی میں تم اپنے وقت، محنت اور قابلیت کا جتنا حصہ اپنی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کے لیے صرف کرتے ہو وہ تو صحیح اور معقول مصرف میں صرف ہوتا ہے۔ مگر اس واقعی ضرورت سے زائد اِن چیزوں کو اس کام میں صرف کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم معاشی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حیوان بلکہ دولت پیدا کرنے کی مشین بن رہے ہو۔ حالانکہ تمہارے وقت، محنت اور ذہنی و جسمانی قوتوں کے لیے کسبِ معاش کے سوا اور زیادہ بہتر مصرف بھی ہیں۔ پس عقل اور فطرت کے لحاظ سے یہ اصول ہی سرے سے غلط ہے جو شیطان نے اپنے شاگردوں کو سکھایا ہے۔ لیکن اس اصول پر جو عملی طریقے بنے ہیں وہ تو اس قدر قابلِ لعنت اور اُنکے نتائج اتنے ہولناک ہیں کہ ان کا صحیح تخمینہ بھی مشکل ہے۔

زائد از ضرورت وسائلِ معیشت کو مزید وسائل قبضہ میں لانے کے لیے استعمال کرنے کی دو صورتیں ہیں:

ایک یہ کہ ان وسائل کو سود پر قرض دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ انہیں تجارتی اور صنعتی کاموں میں لگایا جائے۔

یہ دونوں طریقے اپنی نوعیت میں کچھ ایک دوسرے سے مختلف ضرور ہیں، لیکن دونوں کے مشترک عمل کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائیٹی دو طبقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک وہ قلیل طبقہ جو اپنی ضروریات سے زیادہ وسائلِ معاش رکھتا ہے اور اپنے وسائل کو مزید وسائل کھینچنے کیلئے وقف کر دیتا ہے۔ دوسرا وہ کثیر طبقہ جو اپنی ضرورت کے مطابق، یا اس سے کم وسائل رکھتا ہے یا بالکل نہیں رکھتا۔ ان دونوں طبقوں کے مفاد نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں بلکہ لامحالہ انکے درمیان کشمکش اور نزاع برپا ہوتی ہے، اور یوں انسان کا معاشی انتظام جسکو فطرت نے مبادلہ پر قائم کیا تھا، محاربہ پر قائم ہو کر رہ جاتا ہے۔

پھر یہ محاربہ جتنا جتنا بڑھتا جاتا ہے، مالدار طبقہ تعداد میں کم اور نادار طبقہ زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے، کیونکہ اس محاربہ کی نوعیت ہی کچھ اس قسم کی ہے کہ جو زیادہ مالدار ہے وہ اپنے مال کے زور سے کم مالدار لوگوں کے وسائل بھی کھینچ لیتا ہے اور اسے نادار طبقہ میں دھکیل دیتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس طرح زمین کے اسبابِ معاش روز بروز کم اور کم تر حصۂ آبادی کے پاس سمٹتے چلے جاتے ہیں اور روز بروز زیادہ اور زیادہ حصۂ آبادی مفلس یا مالداروں کا دست نگر ہوتا جاتا ہے۔

ابتداءً یہ محاربہ چھوٹے پیمانے پر شروع ہوتا ہے، پھر بڑھتے بڑھتے یہ ملکوں اور قوموں تک پھیلتا ہے یہاں تک کہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے کر بھی ھل من مزید ہی کی صدا لگاتا ہے۔ اسکی صورت یہ ہے کہ جب ایک ملک کا عام دستور یہ ہو جاتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس اپنی ضرورت سے زائد مال ہو وہ اپنے فاضل مال کو نفع آور کاموں میں لگا دیں اور یہ دولت اشیاء ضرورت کی تیاری پر صرف ہو، تو انکی لگائی ہوئی پوری رقم کا فائدے سمیت وصول ہونا اس بات پر موقوف ہوتا ہے کہ جس قدر اشیاء ملک میں تیار ہوئی ہیں وہ سب کی سب اُسی ملک میں خرید لی جائیں، مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا اور درحقیقت ہو نہیں سکتا، کیونکہ ضرورت سے کم مال رکھنے والوں کی قوت خریداری کم ہوتی ہے اسلیے وہ ضرورت مند ہونے کے باوجود ان چیزوں کو خرید نہیں سکتے، اور ضرورت سے زیادہ مال رکھنے والے اس فکر میں ہوتے ہیں کہ جتنی آمدنی ہو اُس میں سے پھر ایک حصہ پس انداز کر کے نفع آور کاموں میں لگائیں اسلیے وہ اپنا سب مال خریداری پر صرف نہیں کرتے۔ اس طرح لازمی طور پر تیار کردہ مال کا ایک حصہ فروخت ہوئے بغیر رہ جاتا ہے، جسکے دوسرے معنی یہ ہیں کہ مالداروں کی لگائی ہوئی رقم کا ایک حصہ بازیافت ہونے سے رہ گیا اور یہ رقم ملک کی حرفت (Industry) کے ذمہ قرض رہا۔ یہ صرف ایک چکر کا حال ہے۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ایسے جتنے چکر ہونگے ان میں سے ہر ایک میں مال دار طبقہ اپنی حاصل شدہ آمدنی کا ایک حصہ پھر نفع آور کاموں پر لگاتا چلا جائیگا، اور جو رقمیں بازیافت ہونے سے رہ جاتی ہیں انکی مقدار ہر چکر میں بڑھتی چلی جائیگی اور ملک کی حرفت پر ایسے قرض کا بار دوگنا، چوگنا، ہزار گنا ہوتا چلا جائیگا جسکو خود وہ ملک کبھی ادا نہیں کر سکتا۔ اس طرح ایک ملک کو دیوالیہ پن کا جو خطرہ لاحق ہوتا ہے اُس سے بچنے کی کوئی صورت اسکے سوا نہیں کہ جتنا مال ملک میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فروخت ہونے سے رہ جائے اسے دوسرے ملکوں میں لیجا کر فروخت کیا جائے، یعنی ایسے ملک تلاش کیے جائیں جنکی طرف یہ ملک اپنے دیوالیہ پن کی آفت کو منتقل کر دے۔

یوں یہ محاربہ ملکی حدود سے گذر کر بین الاقوامی دائرے میں قدم رکھتا ہے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ کوئی ایک ملک ہی ایسا نہیں ہے جو اس شیطانی نظام معیشت پر چل رہا ہو، بلکہ دنیا کے اکثر ممالک کا یہی حال ہے کہ وہ اپنے آپ کو دیوالیہ پن سے بچانے کے لیے، یا بالفاظ دیگر اپنے دیوالہ کو کسی اور ملک پر ڈال دینے کے لیے مجبور ہو گئے ہیں۔ اس طرح بین الاقوامی مسابقت شروع ہو جاتی ہے اور وہ چند صورتیں اختیار کرتی ہے۔

اوّلاً ہر ملک بین الاقوامی بازار میں اپنا مال زیادہ بیچنے کے لیے کوشش کرتا ہے کہ کم سے کم لاگت پر زیادہ مال تیار کرے۔ اس غرض سے کارکنوں کے معاوضے بہت کم رکھے جاتے ہیں اور معاشی کاروبار میں ملک کی عام آبادی اتنا کم حصہ پاتی ہے کہ اس کی اصلی ضروریات بھی پوری نہیں ہوتیں۔

ثانیاً ہر ملک اپنے حدود میں، اور اپنے حلقۂ اثر میں دوسرے ملک کا مال آنے پر بندشیں عائد کرتا ہے، اور خام پیداوار کے جتنے وسائل اسکے زیر اختیار رہیں ان پر بھی پہرے بٹھاتا ہے تاکہ دوسرا ملک ان سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس سے بین الاقوامی کشمکش پیدا ہوتی ہے جس کا انجام جنگ پر ہوتا ہے۔

ثالثاً ایسے ملک جو اس دیوالیہ پن کی مصیبت کو اپنے سر چپکے جانے سے روک نہیں سکتے اُن پر یہ لٹیرے ٹوٹ پڑتے ہیں اور صرف اپنے ملک کے بچے کھچے مال ہی کو ان میں فروخت کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ جس دولت کو خود اپنے ہاں نفع آور کام پر لگانے کی گنجائش نہیں ہوتی اسے بھی اُن ممالک میں لے جا کر لگاتے ہیں۔ اس طرح آخر کار اُن ممالک میں بھی وہی مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے جو ابتداءً خود روپیہ لگانے والے ملکوں میں پیدا ہوا تھا۔ یعنی جس قدر روپیہ وہاں لگایا جاتا ہے وہ سارا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا سارا وصول نہیں ہو سکتا، اور اس روپے سے جتنی بھی آمدنی ہوتی ہے اسکا ایک بڑا حصہ پھر مزید نفع آور کاموں میں لگا دیا جاتا ہے، حتیٰ کہ ان ملکوں پر قرض کا بار اتنا بڑھتا چلا جاتا ہے کہ اگر خود ان ملکوں کو بیچ ڈالا جائے، تب بھی کُل لگائی ہوئی رقم بازیافت نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ چکر اگر یونہی چلتا رہے تو بالآخر تمام دنیا دیوالیہ ہو جائیگی اور روئے زمین پر کوئی خطہ ایسا باقی نہ رہیگا جسکی طرف اس دیوالیہ پن کی مصیبت کو منتقل کیا جاسکے، حتیٰ کہ پھر ضرورت پیش آئیگی کہ مریخ اور مشتری اور عطارد میں روپیہ لگانے اور زائد مال کو کھپانے کے لیے، مارکٹ تلاش کیے جائیں۔

اس عالمگیر محاربہ میں بینکروں، آڑھتیوں، اور صنعت و تجارت کے رئیسوں کی ایک مٹھی بھر جماعت تمام دنیا کے معاشی اسباب و وسائل پر اس طرح حاوی ہو گئی ہے کہ ساری نوع انسانی ان کے مقابلے میں بالکل بے بس ہے۔ اب کسی شخص کے لیے یہ قریب قریب ناممکن ہو گیا ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں کی محنت سے اور اپنے دماغ کی قابلیت سے کوئی آزادانہ کام کر سکے اور خدا کی زمین پر جو اسباب زندگی موجود ہیں ان میں سے خود کوئی حصہ حاصل کر سکے۔ چھوٹے تاجر، چھوٹے صناع، چھوٹے زراعت پیشہ کے لیے آج دنیا کے عرصۂ حیات میں ہاتھ پاؤں مارنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی ہے۔ سب کے سب مجبور ہیں کہ معاشی کاروبار کے ان بادشاہوں کے غلام اور نوکر اور مزدور بن کر رہیں، اور یہ لوگ کم سے کم سامان زیست کے معاوضہ میں اُنکے جسم و دماغ کی ساری قوتیں اور ان کا سارا وقت لے لیتے ہیں جسکی وجہ سے پوری نوع انسانی بس ایک معاشی حیوان بنکر رہ گئی ہے۔ بہت کم خوش قسمت انسانوں کو اس معاشی کشمکش سے اتنی فرصت نصیب ہوتی ہے کہ اپنے اخلاقی، عقلی، روحانی ارتقاء کے لیے بھی کچھ کر سکیں، اور پیٹ بھرنے سے بالاتر بھی کسی مقصد کی طرف توجہ کر سکیں اور اپنی شخصیت کے اُن عناصر کو بھی نشوونما دے سکیں جو تلاش معاش کے سوا دوسری پاکیزہ تر اغراض کے لیے خدا نے ان کے اندر ودیعت کیے تھے۔ درحقیقت اس شیطانی نظام کی بدولت معاشی کشمکش اس قدر سخت ہو جاتی ہے کہ زندگی کے تمام

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے شعبے اس سے ماؤف و معطل ہو جاتے ہیں۔

انسان کی مزید بدنصیبی یہ ہے کہ دنیا کے اخلاقی فلسفے، سیاسی نظامات اور قانونی اصول بھی اس شیطانی نظام معیشت سے متاثر ہو گئے۔ مشرق سے مغرب تک ہر طرف اخلاقی معلمین کفایت شعاری پر زور دے رہے ہیں۔ جتنا کمانا اتنا ہی خرچ کر دینا ایک حماقت اور ایک اخلاقی عیب سمجھا جاتا ہے اور ہر شخص کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ اپنی آمدنی میں سے کچھ نہ کچھ پس انداز کر کے بینک میں ڈپازٹ رکھے یا انشورنس پالیسی خریدے، یا کمپنیوں کے شیئرز حاصل کرے۔ گویا جو چیز انسانیت کو تباہ کرنے والی ہے وہی اخلاق کی نظر میں معیار خوبی بن گئی ہے۔ رہی سیاسی طاقت تو وہ عملاً بالکل ہی اس شیطانی نظام کے قبضہ میں آ چکی ہے۔ وہ بجائے اسکے کہ اس ظلم سے انسان کو بچائے، ظلم کا آلۂ کار بنی ہوئی ہے اور ہر طرف حکومت کی گدیوں پر شیطان کے ایجنٹ بیٹھے نظر آتے ہیں۔ اسی طرح دنیا کے قوانین بھی اسی نظام کے زیر اثر مرتب ہو رہے ہیں۔ ان قوانین نے عملاً افراد کو پوری آزادی دے دی ہے کہ جس طرح چاہیں جماعت کے مفاد کے خلاف اپنی معاشی اغراض کے لیے جدوجہد کریں۔ روپیہ کمانے کے طریقوں میں جائز اور ناجائز کا امتیاز قریب قریب مفقود ہے۔ ہر وہ طریقہ جس سے کوئی شخص دوسروں کو لوٹ کر یا تباہ کر کے مالدار بن سکتا ہو، قانون کی نظر میں جائز ہے۔ شراب بنائیے اور بیچیے، بداخلاقی کے اڈے قائم کیجیے، شہوانی فلم بنائیے، فحش مضامین لکھیے، جذبات کو بھڑکانے والی تصویریں شائع کیجیے، سٹے کا کاروبار پھیلائیے، سودخواری کے ادارے قائم کیجیے، قمار بازی کی نئی نئی صورتیں نکالیے، غرض جو چاہیے کیجیے، قانون نہ صرف آپکو اسکی اجازت دیگا، بلکہ الٹی آپکے حقوق کی حفاظت کریگا۔ پھر جو دولت اس طریقہ سے سمٹ کر ایک شخص کے پاس جمع ہو گئی ہو۔ قانون یہ چاہتا ہے کہ وہ اسکے مرنے کے بعد بھی ایک ہی جگہ سمٹی رہے۔ چنانچہ اولاد اکبر کے وارث ہونے کا طریقہ (Rule of primogeniture) اور بعض قوانین میں متبنّیٰ بنانے کا طریقہ، اور مشترک خاندان کا طریقہ (Joint family system)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اِن سب کی یہی غرض ہے کہ خزانہ کا ایک سانپ جب مرے تو دوسرا سانپ اس پر بٹھا دیا جائے، اور اگر بدقسمتی سے اُس سانپ نے کوئی سپولیا نہ چھوڑا ہو تو کہیں اور سے ایک سپولیا حاصل کیا جائے، تاکہ دولت کے اس سمٹاؤ میں فرق نہ آنے پائے۔

یہ اسباب ہیں جن سے نوعِ انسان کے لیے یہ مسئلہ پیدا ہوا ہے کہ خدا کی اس زمین پر ہر شخص کو سامانِ زیست بہم پہنچنے کا انتظام کس طرح کیا جائے اور ہر شخص کو اپنی استعداد کے مطابق ترقی کرنے اور اپنی شخصیت کو نشو و نما دینے کے مواقع کیسے ملیں۔

اشتراکیت کا تجویز کردہ حل اس مسئلے کے حل کی ایک صورت اشتراکیت نے تجویز کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ پیدائش دولت کے وسائل افراد کی ملکیت سے نکال کر جماعتی ملکیت بنا دیے جائیں، اور ضروریات زندگی کو افراد پر تقسیم کرنے کا انتظام بھی جماعت ہی کے سپرد ہو۔ بظاہر یہ حل بہت معقول نظر آتا ہے لیکن اسکے عملی پہلوؤں پر آپ جس قدر غور کرینگے، اسی قدر آپ پر اس کے نقائص کھلتے چلے جائینگے، یہاں تک کہ آپکو تسلیم کرنا پڑیگا کہ آخرکار اسکے نتائج بھی اتنے ہی خراب ہیں جتنے اُس بیماری کے نتائج ہیں جسکا علاج کرنے کے لیے اسے اختیار کیا گیا ہے۔ یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ وسائل پیدائش سے کام لینے اور پیداوار کو تقسیم کرنے کا انتظام خواہ نظری طور پر پوری جماعت کے حوالہ کر دیا جائے، مگر عملاً یہ کام ایک مختصر سی ہیئتِ انتظامیہ (Executive) ہی کے سپرد کرنا ہوگا۔ یہ مختصر گروہ ابتداءً جماعت (Community) ہی کا منتخب کردہ سہی، لیکن جب تمام ذرائع معاش اسکے قبضہ میں ہونگے اور اُسی کے ہاتھوں سے لوگوں تک پہنچ سکیں گے تو تمام آبادی اسکی مٹھی میں بے بس ہو جائیگی، اسکی رضا کے خلاف ملک میں کوئی دم تک نہ مار سکیگا، اور اسکے مقابلہ میں کوئی ایسی منظم طاقت ابھر ہی نہ سکے گی جو اُس کو منصب اقتدار سے ہٹا سکے۔ اُسکی نظر کسی سے پھر جانے کے معنی یہ ہونگے کہ وہ قصوروار بندہ اس سرزمین میں زندگی بسر کرنے کے تمام وسائل سے محروم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو جائے کیونکہ سارے وسائل پر اس مختصر گروہ کا تسلط ہوگا۔ مزدور میں اتنا یارا نہ ہوگا کہ اسکے انتظام سے ناراض ہو تو اسٹرائک کردے کیونکہ وہاں بہت سے کارخانہ دار نہ ہونگے کہ ایک کے در سے اٹھے تو دوسرے کے دروازے پر چلا جائے، بلکہ سارے ملک میں ایک ہی کارخانہ دار ہوگا۔ اور وہی حکمراں بھی ہوگا، اور اسکے خلاف کسی رائے عام کی ہمدردی بھی حاصل نہ کی جاسکیگی۔ اس طرح یہ صورت جس نتیجہ پر جاکر ختم ہوگی وہ یہ ہے کہ تمام سرمایہ داروں کو کھا کر ایک بڑا سرمایہ دار، تمام کارخانہ داروں اور زمینداروں کو کھا کر ایک بڑا کارخانہ دار و زمیندار لوگوں پر مسلط ہو جائے اور وہی بیک وقت زار اور قیصر بھی ہو۔

اول تو یہ اقتدار، اور ایسا مطلق اقتدار وہ چیز ہے جسکے نشہ میں بہک کر ظالم و جابر بننے سے رُک جانا انسان کے لیے بہت مشکل ہے، خصوصاً جبکہ وہ اپنے اوپر کسی خدا کا اور اسکے سامنے جواب دہی کا اعتقاد بھی نہ رکھتا ہو۔ تاہم اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسے اقتدار مطلق پر قابض ہونے کے بعد بھی یہ مختصر گروہ آپے سے باہر نہ ہوگا اور عدل و انصاف ہی کے ساتھ کام کریگا تب بھی ایسے ایک نظام میں افراد کے لیے اپنی شخصیت کو نشوونما دینے کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ انسانی شخصیت اپنے ارتقاء کے لیے سب سے بڑھ کر جس چیز کی محتاج ہے وہ یہ ہے کہ اُسے آزادی حاصل ہو، کچھ وسائل کار اسکے اپنے ہاتھوں میں ہوں جنہیں وہ اپنے اختیار سے استعمال کر سکے اور ان وسائل پر اپنے رجحان کے مطابق کام کرکے اپنی مخفی قوتوں کو ابھارے اور چمکائے۔ مگر اشتراکی نظام میں اسکا کوئی امکان نہیں۔ اس میں وسائل افراد کے اختیار میں نہیں رہتے بلکہ جماعت کی ھیئت انتظامیہ کے ہاتھوں میں چلے جاتے ہیں اور وہ ھیئت انتظامیہ جماعتی مفاد کا جو تصور رکھتی ہے اسی کے مطابق ان وسائل کو استعمال کرتی ہے۔ افراد کے لیے اسکے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اگر وہ ان وسائل سے استفادہ کرنا چاہیں تو اُس نقشہ کے مطابق کام کریں، بلکہ اُسی نقشہ کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالے جانے کے لیے ان منتظمین کے سپرد کردیں جو انہوں نے جماعتی مفاد کے لیے تجویز کیا ہے۔ یہ چیز عملاً سوسائٹی کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام افراد کو چند انسانوں کے قبضہ میں اس طرح دے دیتی ہے کہ گویا وہ سب بے روح مواد خام ہیں، اور جیسے چمڑے کے جوتے اور لوہے کے پرزے بنائے جاتے ہیں اس طرح وہ چند انسان مختار ہیں کہ ان بہت سے انسانوں کو اپنے نقشہ کے مطابق ڈھالیں اور بنائیں۔

انسانی تمدن و تہذیب کے لیے اس کا نقصان اس قدر زیادہ ہے کہ اگر بالفرض اس نظام کے تحت ضروریات زندگی انصاف کے ساتھ تقسیم بھی ہوں تو اسکا فائدہ اس نقصان کے مقابلہ میں ہیچ ہو جاتا ہے۔ تمدن و تہذیب کی ساری ترقی منحصر ہے اس پر کہ مختلف انسان جو مختلف قسم کی قوتیں اور قابلیتیں لیکر پیدا ہوتے ہیں، انکو پوری طرح نشو و نما پانے اور پھر اپنا اپنا حصہ اس مشترک زندگی میں ادا کرنے کا موقع ملے۔ یہ بات ایسے نظام میں حاصل نہیں ہو سکتی جسکے اندر انسانوں کا پلاننگ (Planning) کیا جاتا ہو۔ چند انسان، خواہ وہ کتنے ہی لائق اور کتنے ہی نیک اندیش ہوں، بہر حال اتنے علیم و خبیر نہیں ہو سکتے کہ لاکھوں اور کروڑوں آدمیوں کی خلقی قابلیتوں اور ان کے فطری رجحانات کا صحیح اندازہ کر سکیں اور پھر انکے نشو و نما کا ٹھیک ٹھیک راستہ معین کر سکیں۔ وہ اس میں علم کے اعتبار سے بھی غلطی کرینگے، اور جماعتی مفاد یا جماعتی ضروریات کے متعلق جو تخمینہ انکے ذہن میں ہوگا اُسکے لحاظ سے بھی یہ چاہینگے کہ اُن کے زیر اثر انسانوں کی جتنی آبادی ہو وہ ان کے نقشہ پر ڈھال دی جائے۔ اس سے تمدن کی گوناگونی ختم ہو کر ایک بے روح یکسانی میں تبدیل ہو جائیگی۔ اس سے تمدن کا فطری ارتقاء بند اور ایک طرح کا مصنوعی و جعلی ارتقاء شروع ہو جائیگا۔ اس سے انسانی قوتیں ٹھٹھرتی چلی جائینگی اور بالآخر ایک شدید اخلاقی و ذہنی انحطاط رونما ہوگا۔ انسان بہر حال چمن کی گھاس اور بیل بوٹے نہیں ہیں کہ ایک مالی انکو کانٹ چھانٹ کر کے مرتب کرے اور وہ اسی کے نقشے پر بڑھتے اور گھٹتے رہیں۔ ہر آدمی اپنا ایک تشخص رکھتا ہے جو اپنی فطری رفتار پر بڑھنا چاہتا ہے۔ تم اسکی یہ آزادی سلب کروگے تو وہ تمہارے نقشہ پر نہیں بڑھیگا بلکہ بغاوت کریگا یا مرجھا کر رہ جائیگا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشتراکیت کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ وہ معاش کے مسئلہ کو مرکزی مسئلہ قرار دے کر پوری انسانی زندگی کو اسکے گرد گھما دیتی ہے۔ زندگی کے کسی مسئلہ پر بھی اسکی نظر مجرد تحقیقی نظر نہیں ہے، بلکہ سارے مسائل کو وہ ایک گہرے معاشی تعصب کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مابعد الطبیعیات، اخلاق، تاریخ، سائنس، علوم عمران، غرض ہر چیز اسکے دائرہ میں معاشی نقطۂ نظر سے مغلوب و متأثر ہے اور اس یک رُخے پن کی وجہ سے زندگی کا پورا توازن بگڑ جاتا ہے۔

فاشزم کا حل پس درحقیقت اشتراکی نظریہ انسان کے معاشی مسئلہ کا کوئی صحیح فطری حل نہیں ہے بلکہ ایک غیر فطری مصنوعی حل ہے۔ اسکے مقابلہ میں دوسرا حل فاشزم اور نیشنل سوشلزم نے پیش کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ وسائل معیشت پر شخصی تصرف تو باقی رہے، مگر جماعتی مفاد کی خاطر اس تصرف کو ریاست کے مضبوط کنٹرول میں رکھا جائے۔ لیکن عملاً اسکے نتائج بھی اشتراکی نظریہ کے نتائج سے کچھ زیادہ مختلف نظر نہیں آتے۔ اشتراکیت کی طرح یہ نظریہ بھی فرد کو جماعت میں گم کر دیتا ہے اور اسکی شخصیت کے آزادانہ نشوونما کا کوئی موقع باقی نہیں چھوڑتا۔ مزید برآں جو ریاست اس شخصی تصرف کو قابو میں رکھتی ہے وہ اتنی ہی مستبد اور جابر و قاہر ہوتی ہے جتنی اشتراکی ریاست۔ ایک بڑے ملک کی تمام حرفت کو اپنے پنجۂ اقتدار میں رکھنے اور اپنے دیئے ہوئے نقشہ پر کام کرنے کے لیے مجبور کرنا بڑی زبردست قوتِ قاہرہ چاہتا ہے اور جس ریاست کے ہاتھ میں ایسی قاہرانہ طاقت ہو اسکے ہاتھ میں ملک کی آبادی کا بے بس ہو جانا اور حکمرانوں کا غلام بنکر رہ جانا بالکل یقینی ہے۔

اسلام کا حل اب میں یہ بتاؤنگا کہ اسلام کس طرح اس مسئلے کو حل کرتا ہے۔

اسلام نے تمام مسائل حیات میں اس قاعدے کو ملحوظ رکھا ہے کہ زندگی کے جو اصول فطری ہیں انکو جوں کا توں برقرار رکھا جائے اور فطرت کے راستہ سے جہاں انحراف ہوا ہے وہیں سے اسکو موڑ کر فطرت کے راستہ پر ڈال دیا جائے۔ دوسرا اہم قاعدہ جس پر اسلام کی تمام اجتماعی اصلاحات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مبنی ہیں، وہ یہ ہے کہ صرف خارجی طور پر نظام تمدن میں چند ضابطے جاری کرنے ہی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ سب سے زیادہ زور اخلاق اور ذہنیت کی اصلاح پر صرف کیا جائے تاکہ نفس انسانی میں خرابی کی جڑ ہی کٹ جائے۔ تیسرا اساسی قاعدہ جس کا نشان آپکو تمام اسلامی نظام شریعت میں ملیگا، یہ ہے کہ حکومت کے جبر اور قانون کے زور سے صرف وہیں کام لیا جائے جہاں ایسا کرنا ناگزیر ہو۔ ان تین قاعدوں کو ملحوظ رکھ کر اسلام زندگی کے معاشی شعبے میں اُن تمام فطری اصولوں کو تسلیم کرتا ہے جن پر ہمیشہ انسانی معیشت کی بنیاد قائم رہی ہے، اور صرف اُن غلط اصولوں کو زیادہ سے زیادہ اخلاقی اصلاح اور کم سے کم حکومتی مداخلت کے ذریعہ سے مٹاتا ہے جو شیطانی اثر سے انسان نے اختیار کیے ہیں۔ یہ امر کہ انسان اپنی معاش کے لیے جدوجہد کرنے میں آزاد ہو، یہ بات کہ آدمی اپنی محنت سے جو کچھ حاصل کرے اُس پر اسے حقوق مالکانہ حاصل ہوں، اور یہ کہ انسانوں کے درمیان انکی قابلیتوں اور ان کے حالات کے لحاظ سے فرق و تفاوت ہو، ان سب چیزوں کو اسلام اُس حد تک تسلیم کرتا ہے جس حد تک یہ منشاء فطرت کے مطابق ہیں۔ پھر وہ ان پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جو انہیں حد فطرت سے متجاوز اور ظلم و بے انصافی کا موجب نہ بننے دیں۔

سب سے پہلے دولت کمانے کے سوال کو لیجیے۔ اسلام انسان کے اس حق کو تسلیم کرتا ہے کہ خدا کی زمین میں وہ خود اپنی طبیعت کے رجحان اور اپنی استعداد و قابلیت کے مطابق خود اپنی زندگی کا سامان تلاش کرے، لیکن وہ اس کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اپنی معاش حاصل کرنے کے لیے اخلاق کو خراب کرنے والے یا تمدن کے نظام کو بگاڑنے والے ذرائع اختیار کرے۔ وہ کسب معاش کے ذرائع میں حلال اور حرام کی تمیز قائم کرتا ہے اور نہایت تفصیل کے ساتھ چُن چُن کر ایک ایک نقصان رساں طریقہ کو حرام کر دیتا ہے۔ اسکے قانون میں شراب اور دوسری نشہ آور چیزیں اور فحش اور بداخلاقی پھیلانے والی چیزیں نہ صرف بجائے خود حرام ہیں، بلکہ ان کا بنانا، بیچنا، خریدنا، رکھنا سب حرام ہے۔ وہ زنا، اور رقص و سرود، اور اسی قسم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دوسرے ذرائع کو بھی جائز ذرائعِ کسب معاش تسلیم نہیں کرتا۔ وہ ایسے تمام وسائل معیشت کو بھی ناجائز ٹھہراتا ہے جن میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے لوگوں کے یا سوسائٹی کے نقصان پر مبنی ہو۔ رشوت چوری، جُوا اور سٹہ، دھوکے اور فریب کے کاروبار، اشیاءِ ضرورت کو اس غرض سے روک رکھنا کہ قیمتیں گراں ہوں، معاشی وسائل کو کسی ایک شخص یا چند اشخاص کا اجارہ قرار دینا کہ دوسروں کے لیے جدو جہد کا دائرہ تنگ ہو، ان سب طریقوں کو اس نے حرام ٹھہرایا ہے۔ نیز کاروبار کی ایسی تمام شکلوں کو اس نے چھانٹ چھانٹ کر ناجائز قرار دیا ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے نزاع (Litigation) پیدا کرنے والی ہوں، یا جن میں نفع و نقصان بالکل بخت و اتفاق پر مبنی ہو، یا جن میں فریقین کے درمیان حقوق کا تعین نہ ہو۔ اگر آپ اسلام کے اس تجارتی قانون کا تفصیلی مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج جن طریقوں سے لوگ کروڑپتی اور ارب پتی بنتے ہیں، اُن میں سے بیشتر طریقے وہ ہیں جن پر اسلام نے سخت قانونی بندشیں عائد کر دی ہیں۔ وہ جن وسائل کسبِ معاش کو جائز ٹھہراتا ہے ان کے دائرے میں محدود رہ کر کام کیا جائے تو اشخاص کے لیے بے اندازہ دولت سمیٹتے چلے جانے کا بہت کم امکان ہے۔

اب دیکھیے کہ جائز ذرائع سے جو کچھ انسان حاصل کرے اُس پر اسلام اُس شخص کے حقوقِ ملکیت تسلیم کرتا ہے، مگر اُس کے استعمال میں اسے بالکل آزاد نہیں چھوڑتا بلکہ اس پر بھی متعدد طریقوں سے پابندیاں عائد کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کمائی ہوئی دولت کے استعمال کی تین ہی صورتیں ممکن ہیں: یا اُس کو خرچ کیا جائے۔ یا اُسے مزید نفع آور کاموں پر لگایا جائے۔ یا اُسے جمع کیا جائے۔ ان میں سے ایک ایک پر جو پابندیاں اسلام نے عائد کی ہیں، ان کی مختصر کیفیت میں یہاں بیان کرتا ہوں۔

خرچ کرنے کے جتنے طریقے اخلاق کو نقصان پہنچانے والے ہیں یا جن سے سوسائٹی کو نقصان پہنچتا ہے وہ سب ممنوع ہیں۔ آپ جُوے میں اپنی دولت نہیں اڑا سکتے۔ آپ شراب نہیں پی سکتے۔ آپ زنا نہیں کر سکتے۔ آپ گانے بجانے اور ناچ رنگ اور عیاشی کی دوسری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صورتوں میں اپنا روپیہ نہیں بہا سکتے - آپ ریشمی لباس نہیں پہن سکتے - آپ سونے اور جواہر کے زیورات استعمال نہیں کر سکتے - آپ تصویروں سے اپنی دیواروں کو مزین نہیں کر سکتے - غرض یہ کہ اسلام نے اُن تمام دروازوں کو بند کر دیا ہے جن سے انسان کی دولت کا بیشتر حصہ اسکی اپنی نفس پرستی پر صرف ہو جاتا ہے - وہ خرچ کی جن صورتوں کو جائز رکھتا ہے وہ اس قسم کی ہیں کہ آدمی بس ایک اوسط درجہ کی شستہ اور پاکیزہ زندگی بسر کر لے - اور اس سے زائد اگر کچھ بچتا ہو تو اسے خرچ کرنیکا راستہ اس نے یہ تجویز کیا ہے کہ اسے نیکی اور بھلائی کے کاموں میں، رفاہِ عام میں، اور ان لوگوں کی امداد میں صرف کیا جائے جو معاشی دولت میں سے اپنی ضرورت کے مطابق حصہ پانے سے محروم رہ گئے ہیں اسلام کے نزدیک بہترین طرزِ عمل یہ ہے کہ آدمی جو کچھ کمائے اسے اپنی جائز اور معقول ضرورتوں پر خرچ کر دے، اور پھر بھی جو بچ رہے اسے دوسروں کو دیدے تاکہ وہ اپنی ضرورتوں پر خرچ کریں - اس صفت کو اسلام نے بلند ترین اخلاق کے معیاروں میں داخل کیا ہے اور ایک آئیڈیل کی حیثیت سے اسکو اتنے زور کے ساتھ پیش کیا ہے کہ جب کبھی سوسائٹی پر اسلامی اخلاقیات کا اثر غالب ہوگا، اجتماعی زندگی میں وہ لوگ زیادہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جائینگے جو کمائیں اور خرچ کر دیں، اور ان لوگوں کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھا جائیگا جو دولت کو سمیٹ سمیٹ کر رکھنے کی کوشش کریں، یا کمائی ہوئی دولت کے بچے ہوئے حصے کو پھر کمانے کے کام میں استعمال کرنا شروع کر دیں -

تاہم مجرد اخلاقی تعلیم کے ذریعہ سے، اور سوسائٹی کے اخلاقی اثر اور دباؤ سے غیر معمولی حرص و طمع رکھنے والے لوگوں کی کمزوریوں کا بالکل استیصال نہیں کیا جاسکتا - اس کے باوجود پھر بھی بہت سے ایسے لوگ باقی رہینگے جو اپنی ضرورت سے زائد کمائی ہوئی دولت کو پھر مزید زائد از ضرورت دولت کمانے میں لگانا چاہینگے، اسلیے اسلام نے اسکے استعمال کے طریقوں پر چند قانونی پابندیاں عائد کر دی ہیں اس بچی ہوئی دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے سود پر چلایا جائے، اسلامی قانون میں قطعی حرام ہے -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ اگر کسی کو اپنا مال قرض دیتے ہیں تو خواہ اس نے وہ قرض اپنی ضرورتوں پر خرچ کرنے کے لیے لیا ہو یا وسیلۂ معاش پیدا کرنے کے لیے، بہر حال آپ اس سے صرف اپنا اصل مال ہی واپس لینے کے حقدار ہیں، اس سے زائد ایک حبہ لینے کا حق آپ کو نہیں پہنچتا۔ اس طرح اسلام ظالمانہ سرمایہ داری کی کمر توڑ دیتا ہے اور اس سب سے بڑے ہتھیار کو کند کر دیتا ہے جس کے ذریعہ سے سرمایہ دار محض اپنے سرمایہ کے بل پر آس پاس کی معاشی دولت سمیٹتا چلا جاتا ہے۔ رہا فاضل دولت کے استعمال کا یہ طریقہ کہ اسے انسان خود اپنی تجارت یا صنعت و حرفت یا دوسرے کاروبار میں لگائے یا دوسروں کے ساتھ نفع و نقصان کا شریک ہو کر سرمایہ فراہم کرے، تو اسلام اسے جائز رکھتا ہے، اور اس سے جو زائد از ضرورت دولت اشخاص کے پاس سمٹ جاتی ہے اس کا علاج دوسرے طریقوں سے کرتا ہے۔

اسلام نے زائد از ضرورت دولت کے جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ابھی میں کہہ چکا ہوں، اس کا مطالبہ یہ ہے کہ جو کچھ مال تمہارے پاس ہے اسے یا تو اپنی ضروریات خریدنے پر صرف کرو یا دوسروں کو دو کہ وہ اس سے اپنی ضروریات خریدیں اور اس طرح پوری دولت برابر گردش میں آتی رہے۔ لیکن اگر تم ایسا نہیں کرتے اور جمع کرنے ہی پر اصرار کرتے ہو تو تمہاری اس جمع کردہ دولت میں سے از روئے قانون ۲½ فی صدی سالانہ رقم نکلوالی جائیگی اور اسے اُن لوگوں کی اعانت پر صرف کیا جائیگا جو معاشی جدوجہد میں حصہ لینے کے قابل نہیں ہیں، یا سعی و جہد کرنے کے باوجود اپنا پورا حصہ پانے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اسی چیز کا نام زکوٰۃ ہے اور اس کے انتظام کی صورت جو اسلام نے تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ اسے جماعت کے مشترک خزانہ میں جمع کیا جائے اور خزانہ ان تمام لوگوں کی ضروریات کا کفیل بن جائے جو مدد کے حاجت مند ہیں۔ یہ دراصل سوسائیٹی کے لیے انشورنس کی بہترین صورت ہے، اور ان تمام خرابیوں کا استیصال کرتی ہے جو اجتماعی امداد و اعانت کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں جو چیز انسان کو دولت جمع کرنے اور اسے نفع آور کاموں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں لگانے پر مجبور کرتی ہے، اور جسکی وجہ سے لائف انشورنس وغیرہ کی ضرورت پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر شخص کی زندگی اِس نظام میں اپنے ہی ذرائع پر منحصر ہے - بوڑھا ہو جائے اور کچھ بچا کر نہ رکھا ہو تو بھوکا مر جائے - بال بچوں کے لیے کچھ چھوڑے بغیر مرے تو وہ دربدر مارے مارے پھریں اور بھیک کا ٹکڑا تک نہ پاسکیں - بیمار ہو جائے اور کچھ بچا بچایا نہ رکھا ہو تو علاج تک نہ کرا سکے - گھر جل جائے، یا کاروبار میں نقصان ہو یا کوئی اور آفت ناگہانی آجائے تو کسی طرف سے اسکو سہارا ملنے کی امید نہیں اسی طرح سرمایہ داری نظام میں جو چیز محنت پیشہ لوگوں کو سرمایہ داروں کا زرخرید غلام بن جانے، اور انکی شرائط پر کام کرنے کے لیے مجبور کرتی ہے وہ بھی یہی ہے کہ جو کچھ اسکی محنت کا معاوضہ سرمایہ دار دیتا ہے اسے لینا اگر غریب آدمی قبول نہ کرے تو فاقہ کرے اور ننگا پھرے - سرمایہ دار کی بخشش سے منہ موڑ کر اسے دو وقت کی روٹی میسر آنی مشکل ہے - پھر یہ لعنتِ کبریٰ جو آج سرمایہ داری نظام کی بدولت دنیا پر مسلط ہے کہ ایک طرف لاکھوں کروڑوں انسان حاجت مند موجود ہیں، اور دوسری طرف زمین کی پیداوار اور کارخانوں کی مصنوعات کے انبار لگے ہوئے ہیں مگر خریدے نہیں جاسکتے، حتیٰ کہ لاکھوں من گیہوں سمندر میں پھینکا جاتا ہے اور بھوکے انسانوں کے پیٹ تک نہیں پہنچتا، اس کا سبب بھی یہی ہے کہ حاجت مند انسانوں تک وسائلِ معیشت پہنچانے کا کوئی انتظام نہیں ہے - اُن سب کے اندر قوتِ خریداری پیدا کر دی جائے اور وہ اپنے حسبِ حاجت اشیاء خریدنے کے قابل ہو جائیں تو صنعت، تجارت، زراعت غرض ہر انسانی حرفت پھلتی پھولتی چلی جائے - اسلام زکوٰۃ اور بیت المال کے ذریعہ سے ان ساری خرابیوں کا استیصال کرتا ہے - بیت المال ہر وقت آپکی پشت پر ایک مددگار کی حیثیت سے موجود ہے - آپکو فکرِ فردا کی ضرورت نہیں - جب آپ حاجتمند ہوں بیت المال میں جائیے اور اپنا حق لے آئیے، پھر بینک ڈپازٹ اور انشورنس پالیسی کی کیا ضرورت؟ آپ اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر باطمینان تمام دنیا سے رخصت ہو سکتے ہیں - آپکے پیچھے جماعت کا خزانہ ان کا کفیل ہے - بیماری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑھاپے، آفاتِ ارضی و سماوی، ہر صورتِ حال میں بیت المال وہ دائمی مددگار رہے جسکی طرف آپ رجوع کرسکتے ہیں - سرمایہ دار آپکو مجبور نہیں کرسکتا کہ آپ اسی کی شرائط پر کام کرنا قبول کریں - بیت المال کی موجودگی میں آپکے لیے فاقے اور برہنگی اور بے سایگی کا کوئی خطرہ نہیں - پھر یہ بیت المال سوسائیٹی کے تمام اُن لوگوں کو اشیاءِ ضرورت خریدنے کے قابل بنادیتا ہے جو دولت پیدا کرنے کے بالکل ناقابل ہوں یا کم پیدا کررہے ہوں - اس طرح مال کی تیاری اور اسکی کھپت کا توازن پیہم قائم رہتا ہے، اور اسکی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ آپ اپنے دیوالیہ پن کو دنیا بھر کے سر چپیکنے کے لیے دوڑتے پھریں اور آخر کار دوسرے سیّاروں تک پہنچنے کی حاجت پیش آئے -

زکوٰۃ کے علاوہ دوسری تدبیر جو ایک جگہ سمٹی ہوئی دولت کو پھیلانے کے لیے اسلام نے اختیار کی ہے وہ قانونِ وراثت ہے - اسلام کے سوا دوسرے قوانین کا رجحان اس طرف ہے کہ جو دولت ایک شخص نے زندگی بھر سمیٹی ہے وہ اسکے مرنے کے بعد بھی سمٹی رہے - مگر اسلام اسکے برعکس یہ طریقہ اختیار کرتا ہے کہ جس دولت کو ایک شخص سمیٹ سمیٹ کر قید کرتا رہا ہے، اسکے مرتے ہی وہ پھیلا دی جائے - اسلامی قانون میں بیٹے، بیٹیاں، باپ، ماں، بیوی، بھائی، بہن، سب ایک شخص کے وارث ہیں اور ایک ضابطہ کے مطابق سب پر میراث تقسیم ہونی ضروری ہے - قریبی رشتہ دار موجود نہ ہوں تو دور پرے کے رشتہ دار تلاش کیے جائینگے اور ان میں یہ دولت پھیلائی جائیگی - کوئی رشتہ دار سرے سے موجود ہی نہ ہو، تب بھی آدمی کو متبنّیٰ بنانے کا حق نہیں ہے - اس صورت میں اسکی وارث پوری جماعت ہے - اسکی سمیٹی ہوئی تمام دولت بیت المال میں داخل کردی جائیگی - اس طرح خواہ کوئی شخص کروڑوں اور اربوں کی دولت جمع کرلے، اُسکے مرنے کے بعد دو تین پشتوں کے اندر وہ سب کی سب چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر پھیل جائیگی، اور دولت کا ہر سمٹاؤ بتدریج پھیلاؤ میں تبدیل ہو کر رہیگا -

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ نظام معیشت جس کا نہایت مختصر سا نقشہ میں نے پیش کیا ہے اس پر غور کیجیے۔ کیا یہ شخصی ملکیت کے ان تمام نقصانات کو دور نہیں کر دیتا جو شیطان کی غلط تعلیم کے سبب سے رونما ہوتے ہیں؟ پھر آخر اسکی کیا حاجت ہے کہ ہم اشتراکی نظریے، یا فاشزم اور نیشنل سوشلزم کے نظریات کو اختیار کر کے معاشی انتظام کے وہ مصنوعی طریقے اختیار کریں جو ایک خرابی کو دور نہیں کرتے بلکہ اسکی جگہ دوسری خرابی پیدا کر دیتے ہیں؟ یہاں میں نے اسلام کے پورے نظام معاشی کو بیان نہیں کیا ہے۔ زمین کے انتظام اور کاروباری نزاعات (Trade disputes) کے تصفیہ، اور صنعت وحرفت کے لیے سرمایہ کی فراہمی کی جو صورتیں اسلام کے اصول پر اختیار کی جاسکتی ہیں اور جنکے لیے قانونِ اسلام میں پوری گنجائش رکھی گئی ہے انہیں اس مختصر مقالہ میں پیش کرنا مشکل ہے۔ نیز اسلام نے جس طرح درآمد و برآمد کے محصولات اور اندرون ملک میں اموال تجارت کی نقل وحرکت پر چونگی کی پابندیوں کو اڑا کر اشیاء ضرورت کے آزاد مبادلہ کا راستہ کھولا ہے اس کا ذکر بھی میں نہیں کر سکا ہوں۔ ان سب سے بڑھ کر مجھے یہ بیان کرنے کا موقع بھی نہیں ملا ہے کہ ملکی انتظام اور سول سروس اور فوج کے مصارف کو انتہائی ممکن حد تک گھٹا کر، اور عدالت سے اسٹامپ ڈیوٹی کو قطعی طور پر ہٹا کر اسلام نے سوسائیٹی پر سے جس عظیم الشان معاشی بوجھ کو ہلکا کیا ہے، اور ٹیکسوں کو انتظام کے حد سے بڑھے ہوئے مصارف میں کھپا دینے کے بجائے سوسائیٹی کی آسائش اور بہتری پر صرف ہونے کے جو مواقع پیدا کیے ہیں انکی بدولت اسلام کا معاشی نظام انسان کے لیے کتنی بڑی رحمت بن جاتا ہے۔ اگر تعصب چھوڑ دیا جائے، اور آباؤ اجداد سے جو جاہلانہ تنگ نظری وراثت میں ملی ہے، یا غیر اسلامی نظامات کے دنیا پر غالب آجانے سے جو مرعوبیت دماغوں پر چھا گئی ہے اسے دور کر کے آزاد تحقیق کی نگاہ سے اس نظام کا مطالعہ کیا جائے، تو میں توقع کرتا ہوں کہ ایک بھی معقول اور منصف مزاج آدمی ایسا نہ ملیگا جو انسان کی معاشی فلاح کے لیے اس نظام کو سب سے زیادہ مفید، صحیح، فطری اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

معقول تسلیم نہ کرے۔

لیکن اگر کسی شخص کے ذہن میں یہ غلط فہمی ہو کہ اسلام کے پورے اعتقادی، اخلاقی، تمدنی مجموعہ میں سے صرف اسکے معاشی نظام کو لیکر کامیابی کے ساتھ چلایا جا سکتا ہے تو میں عرض کرونگا کہ براہِ کرم وہ اس غلط فہمی کو دل سے نکال دے۔ اس معاشی نظام کا گہرا ربط اسلام کے سیاسی، عدالتی و قانونی اور تمدنی و معاشرتی نظام کے ساتھ ہے۔ پھر ان سب چیزوں کی بنیاد اسلام کے نظام اخلاق پر قائم ہے اور وہ نظام اخلاق بھی اپنے آپ پر قائم نہیں ہے بلکہ اسکے قیام کا پورا انحصار اس پر ہے کہ آپ ایک عالم الغیب قادر مطلق خدا پر ایمان لائیں اور اپنے آپ کو اسکے سامنے جواب دہ سمجھیں، موت کے بعد آخرت کی زندگی کو مانیں اور آخرت میں عدالت الہٰی کے سامنے اپنے پورے کارنامۂ حیات کے جانچے جانے اور اس جانچ کے مطابق جزا و سزا پانے کا یقین رکھیں، اور یہ تسلیم کریں کہ خدا کی طرف سے محمد رسول اللہ نے جو ضابطۂ اخلاق و قانون آپ تک پہنچایا ہے جس کا ایک جز یہ معاشی نظام بھی ہے، وہ بے کم و کاست خدا ہی کی ہدایت پر مبنی ہے۔ اگر اس عقیدے اور اس نظام اخلاق اور اس پورے ضابطۂ حیات کو آپ جوں کا توں نہ لینگے تو نرا اسلامی نظام معاشی ایک دن بھی اپنی صحیح اسپرٹ کے ساتھ نہ چل سکیگا اور نہ اس سے آپ کوئی معتدبہ فائدہ اٹھا سکینگے۔

© rasailojaraid.com